اکبر کے نورتنوں کی علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر بابر نسیم آسی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Jalal ud din Akbar was illetrate but the company of learned men had made him a scholar. He had a fine tase for fine arts & literature. Poets & writers were greatly encouraged by him. The ministers which he had appointed for the administration of the country were called "Nau Ratan" (Nine pearls).These Nau Ratans were not only scholars themselves but they greatly patronised the poets & the writers. The learned people were greatly motivated & attracted towards Akbar & his regieme after hearing the stories of their magnanimity.In this article Nau Ratans & these learned people's love for knowledge & literature is discussed.

جلال الدین محمد اکبر ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا اور تیرہ برس کی عمر میں ھندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اپنے والد ھمایوں کی سرگردانی کی وجہ سے باقاعدہ تحصیل علم سے محروم رہا لیکن علما کی صحبت نے اسے عالم بنا دیا۔ وہ مباحث علمی میں شریک ہوتا اور دلچسپی سے ان کی گفتگو سنتا۔ مولانا روم کی مثنوی اور دیوان حافظ میں سے متعدد اشعار اس کو ازبر تھے۔ بقول ابو الفضل وہ خود بھی شاعر تھا لیکن اس کی اپنی شاعری زیادہ قابل ذکر نہیں ہے۔ اکبر کے دور میں فنون لطیفہ نے بہت ترقی کی۔ فن تعمیر ہو یا مصوری، شاعری ہو یا موسیقی، اکبر کے عہد میں عروج تک پہنچیں۔ اکبر کا دارالخلافہ فتح پور سیکری تھا اور یہاں فن تعمیر کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ لاہور کا شاھی قلعہ اور عسکری اور حفاظتی نکتہ نظر سے کئی دوسرے شہروں میں قلعے اس کے ذوق کی عکاسی کرتے ہیں۔

اکبر خود تو پڑھا لکھا نہ تھا لیکن اس نے ادبیات کی بھرپور سرپرستی کی۔ یونانی، سنسکرت، عربی اور ترکی سے فارسی میں کتابوں کے تراجم کروائے۔ سنسکرت سے کئی کتابیں ترجمہ کی گئیں جن میں رامائن، مہابھارت، بھاگوت گیتا، اتھرو ید اور علم ریاضی کی کتاب لیلاوتی اہم ہیں۔ [1] اکبر کے دور میں اہل علم کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ادیبوں، شاعروں کو ان کی توقعات سے کہیں بڑھ کر نوازا جاتا تھا۔ شاعروں پر نوازشات کرنے میں نہ صرف بادشاہ پیش پیش ہوتا تھا بلکہ اس کے امرائے دربار (رتن) جو نورتن کے نام سے مشہور تھے بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دور میں ایران کے صفوی دربار سے بہت بڑی تعداد میں علماء، فضلا اور شعرا نے دربار اکبری کا رخ کیا اور جود و کرم کی بارش سے فیضیاب ہوئے۔ اکبر کی وفات

۱۶۰۵ء میں ہوئی اور انہیں قلعہ آگرہ سے کچھ فاصلے پر سکندرہ میں دفن کیا گیا۔۲

رتن کے معنی جواہرات، قیمتی پتھر اور نگ کے ہیں۔ اسی طرح یہ آنکھ کی پتلی کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔۳ اکبر نے ملک کا انتظام و انصرام چلانے کے لئے جو وزراء مقرر کیے وہ رتن کہلاتے تھے۔ اکبر کے نورتن اس کے جواھر کے مصداق تھے اور اکبران کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔۳ ذیل میں اکبر کے رتنوں کی علمی و ادبی خدمات اور سرپرستی کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

فیضی فیاضی: ابوالفیض فیضی دربار اکبر کی ملک الشعرائی کے عہدے سے سرفراز ہوئے۔ وہ مشہور فلسفی اور عالم شیخ مبارک کے پہلوٹھی کے بیٹے تھے۔ آگرہ میں ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ فیضی تخلص اختیار کیا لیکن آخر عمر میں فیاضی میں تبدیل کر لیا۔ فیضی فلسفہ، علوم اسلامیات، طب، ریاضی، منطق، نجوم، رمل، طبعیات اور مابعدالطبیعات میں بے مثل تھا۔۴

فیضی کو دربار اکبری میں شاعر کی حیثیت سے رسائی خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی معرفت ہوئی۔ اس نے بے شمار کتابیں تالیف کیں۔ بعض محققین کے مطابق ان کی تعداد ۱۰۱ ہے لیکن ان میں سے صرف چند کتابیں دستیاب ہیں:

سواطع الالہام: عربی میں قرآن مجید کی غیر منقوطہ تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے فیضی نے آیت الکرسی کی بے نقط تفسیر لکھ کر اکبر کی خدمت میں پیش کی تھی۔

ترجمہ بھاگوت گیتا: سنسکرت کی مشہور کتاب بھاگوت گیتا کے کچھ حصوں کا پرتکلف فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمے میں ھندو پنڈتوں سے مدد لی گئی۔۵

لطیفہ فیاضی: نثری تحریروں اور مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کو فیضی کے بھانجے نورالدین نے مرتب کیا۔

مواردالکلم: دینی رسالہ ہے جس کی شہرت بے نقط ہوتا ہے۔

ترجمہ لیلاوتی: علم حساب میں پنڈت بھاسکر آچاریہ کی کتاب ''لیلاوتی'' کا نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اس میں اضافے بھی کئے۔

خمسہ: فارسی میں نظامی گنجوی نے خمسہ نظامی یا پنج گنج کی روایت قائم کی جس کا مختلف شاعروں نے جواب لکھا جن میں خسرو اور بعد ازاں جامی قابل ذکر ہیں۔ فیضی نے بھی نظامی گنجوی کے خمسہ کا جواب لکھا۔

دیوان: فیضی کا دیوان شعر اس کی شعر گوئی کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ فیضی نے ''مہابھارت'' کے پہلے دو ''پرونوں'' کے مطالب کو فارسی میں منظوم کیا۔۶

اکبر کی مذہبی بے اعتدالیوں پر علما اعتراض کرتے تھے۔ اکبر کے دفاع کے لئے فیضی اور ابوالفضل کمربستہ رہتے تھے اور شرعی تاویلات سے ان کی باتوں کا جواب دیتے۔

فیضی اولیائے کرام کا معتقد تھا۔ ۱۵۷۱ء میں بادشاہ کے ہمراہ پاک پتن میں حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور مندرجہ ذیل شعر کہا: ۷

رسید بطواف مزار گنج شکر　　　که کرده سرش نه سپهر بالین

فیضی اپنے ہم عصر شعرا پر بڑا مہربان تھا لیکن ان سے رقابت بھی چلتی تھی۔ عرفی شیرازی جو بڑا خود پسند اور متکبر شاعر تھا، آغاز میں فیضی کا مہمان رہا اور فیضی نے اس کی بڑی خاطر مدارت کی لیکن پھر کدورتیں اور رنجشیں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک مرتبہ عرفی فیضی کے گھر عیادت کے لئے آیا تو فیضی کے گھر میں سونے کے پٹے ڈالے پلے پھر رہے تھے۔ عرفی نے پوچھا کہ مخدوم

زادوں کے کیا نام ہیں تو فیضی نے چوٹ کی کہ ''عرفیست'' اس پر عرفی نے برابر کا جواب دیا ''مبارک باشد'' (مبارک فیضی کے باپ کا نام بھی تھا)۔۸ فیضی نے لاھور میں ۱۵۹۵ء میں وفات پائی۔ ابوالفضل نے اس کی لاش کو آگرہ میں لے جا کر دفن کروایا۔

ابوالفضل: ابوالفضل علامی اکبر کا وزیراعظم ۹ اور معتمد خاص تھا۔ شیخ مبارک کا بیٹا اور فیضی فیاضی کا چھوٹا بھائی تھا۔ ۹۵۸ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا۔ اکبر نامہ، آئین اکبری، انشائے ابوالفضل اور عیار دانش جیسی کتابیں اس کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔ ابوالفضل کے خاندان کو اکبر کی مذھبی بے راہ روی اور دین الٰہی کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ یہ تینوں باپ بیٹا اکبر کی بے راہ روی کا منطقی، فلسفیانہ اور شرعی تاویلات سے دفاع کرتے تھے اور علماے دربار کو نیچا دکھاتے تھے۔

ابوالفضل انشا پردازی میں بے مثل و بے نظیر تھا اور ھندوستان کے ایک مقامی راجہ نے اس کے بارے میں کہا تھا کہ ہمیں اکبراعظم کے تیروں اور تلواروں سے زیادہ ڈر ابوالفضل کے قلم سے لگتا ہے۔

ابوالفضل نے اکبر کو ایسی صفات کا حامل قرار دیا جن کا وہ کسی طور بھی اہل نہ تھا۔ اسے امام مہدی، خلیفتہ اللہ بلکہ خلاصہءآفرینش تک قرار دیا۔ اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تو ابوالفضل نے اس پر مقدمہ لکھا جسے بدایونی نے الکفریات والحشویات۔۔۔ کا مجموعہ قرار دیا۔ ۱۰

ابوالفضل کو شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے حکم سے، جو اس وقت اکبر سے بغاوت کئے ہوئے الہ آباد میں مقیم تھا راجا نرسنگھ دیو نے راستے میں حملہ کر کے قتل کر دیا۔ اگرچہ ابوالفضل بے جگری سے لڑا لیکن یہ تعداد میں کم تھے اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ راجا نرسنگھ دیو نے سر کاٹ کر شہزادہ سلیم کی خدمت میں روانہ کیا۔ قتل کی خبر سن کر اکبر فرطِ غم سے نڈھال ہو گیا۔ بار بار سینہ کوٹتا تھا اور کہتا تھا کہ صد حیف ہمارے دربار کا رتن اس طرح سے مارا جائے۔ دو دن دو رات نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ سویا بلکہ زار و قطار روتا رہا اور شہزادے سے سخت ناراض ہوا۔ قاتل کی سرکوبی کے لئے گوالیار کے فوجدار کو مقرر کیا کہ نہ صرف اس کا سر کاٹا جائے بلکہ اس کے زن و فرزند کو کولہو میں پلوانا اور علاقے میں گدھے کا ہل پھروا دینا چاہیے۔۱۱ جہانگیر نے اپنی تزک میں اس قتل کا حکم اور اکبر کے صدمے کو بیان کیا ہے۔۱۲

عبدالرحیم خانخاناں: ۹۶۴ھ میں پیدا ہوا۔ عبدالرحیم خان خاناں اکبر کے اتالیق بیرم خان کا لائق فرزند تھا۔ اعلیٰ درجے کا شاعر، نقاد اور شاعروں کا مربی و محسن تھا۔ وہ شعراء کی بہت حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ سبک ہندی کا مشہور شاعر نظیری نیشا پوری اس کے دربار سے وابستہ رہا اور اس کے فیض لطف و کرم سے سیراب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ نظیری نے خان خاناں سے پوچھا کہ اگر ایک لاکھ سکوں کا ڈھیر لگایا جائے تو کتنا ہوگا۔ خان خاناں کے حکم پر سکوں کا ڈھیر لگا دیا گیا اور جب نظیری دیکھ چکا تو خان خاناں نے وہ سارے سکے انعام کے طور پر اس کو بخش دیئے۔۱۳

خان خاناں علم و ادب کا قدردان ہونے کے علاوہ خود بھی میدان شعر کا شہسوار تھا۔ اپنے ہم عصر شعرا کے مقابلے میں غزلیں کہتا تھا۔ ایک مرتبہ اکبر کے دربار میں مشاعرے کے لیے طرح دی گئی جس کا قافیہ و ردیف ''چندست'' تھا۔ شعرا نے اس پر طبع آزمائی کی مگر خان خاناں کی یہ غزل سب سے بہتر سمجھی گئی:

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است　　　جزاین قدر کہ دلم سخت آرزو مند است
نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم　　　کہ پای تابسرش ہرچہ ھست در بندست

مرا فروخت محبت ولی ندانستم	کہ مشتری چہ کس است و بہای من چند ست
ازان خوشم بہ سخن ھای دلکش تو رحیم	کہ اندکی بہ اداھای عشق مانند ست ۱۴

شبلی نعمانی نے خان خاناں کی شعر گوئی کی تعریف کرتے ہوئے مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کی شاعری کو نظیری نیشا پوری کی شاعری پر فوقیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''خان خاناں کے کلام میں جو صفائی، شگفتگی، دلآویزی اور سوز و گداز ہے، نظیری کی غزل اس سے عاری ہے''۔۱۵ خان خاناں فارسی شعرا کے ساتھ ساتھ ہندی شعرا کا بھی مربی تھا اور ہندی میں خود بھی شعر کہتا تھا۔۱۶ وہ ھندی دوہے بھی کہتا تھا اور اس کے ھندی میں کہے گئے دوہے فارسی اشعار سے زیادہ تعداد میں زبان زد ہوئے۔۱۷

خان خاناں بڑے حاضر جواب تھے۔ ایک مرتبہ مان سنگھ کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے اور شرط طے پائی کہ ہارنے والا جیتنے والے کی فرمائش کے مطابق ایک جانور کی بولی بولے گا۔ مان سنگھ جیتنے لگے تو کہا کہ بلی کی آواز بلواؤں گا۔ خان خاناں کو ہار کا یقین ہوا تو اچانک اٹھے اور کہا کہ بادشاہ نے ایک ضروری کام کہا تھا۔ جانے لگے مان سنگھ نے دامن پکڑ کے کہا کہ شرط کے موجب بلی کی آواز نکال کے جائیں۔ انہوں نے کہا شما دامنم بگزارید۔ می آیم، می آیم (آپ دامن چھوڑیئے میں آتا ہوں، میں آتا ہوں) دونوں ھنس پڑے۔ شرط بھی پوری ہوگئی اور سبکی بھی نہ ہوئی۔۱۸

خان خاناں کی دادودھش کے قصے زبان زدخاص و عام تھے۔ ایک مرتبہ دربار شاہی سے برہان پور کو رخصت ہوئے۔ پہلی منزل پر قیام تھا۔ شام کے قریب سراپردہ کے سامنے مصاحبین کے ساتھ دربار آراستہ کئے بیٹھے تھے۔ ایک آزاد منش سامنے سے گزرا اور پکار کر کہا:

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست	ہرجا کہ رفت خیمہ زد وبارگاہ ساخت

خان خاناں نے خزانچی کو حکم دیا کہ لاکھ روپے دے دو۔ فقیر دُعائیں دیتا چلا گیا۔ دوسری منزل پہ اسی وقت پھر نکل کر بیٹھے۔ وہ فقیر پھر آ نکلا اور وہی شعر پڑھا۔ انھوں نے پھر لاکھ روپے انعام دیا۔ وہ فقیر سات منازل پہ برابر آتا رہا اور انعام پاتا رہا۔ اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خفا ہو کر سب کچھ چھین لیں۔ آٹھویں روز خان خاناں پھر دربار آراستہ کر کے بیٹھے۔ جب معمول سے زیادہ وقت گزرا تو دربار برخاست نہ کیا۔ شام ھوئی تو کہنے لگے کہ آج وہ فقیر نہ آیا۔ برہان پور آگرہ سے ۲۷ منزل پر ہے۔ ہم نے تو پہلے دن ہی ۲۷ لاکھ روپے خزانہ سے منہا کر دیے تھے۔ تنگ حوصلہ تھا، خدا جانے دل میں کیا سمجھا۔۱۹

حکیم ابوالفتح گیلانی: حکیم ابوالفتح گیلانی کو اکبری دور کے حاذق حکیموں میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ یہ ایران سے آئے تھے اور جلد ہی بادشاہ کے معزز مصاحبین میں شامل ھوگئے۔ حکیم ابوالفتح گیلانی شعر دوست و سخن پرور آدمی تھا۔ طب، حکمت، فلسفہ اور شعر وادب میں مہارت رکھتا تھا۔ عرفی ھندوستان آیا تو حکیم ابوالفتح گیلانی کی شہرت سن کر ان کے دربار میں حاضر ہوا۔ عرفی کو یہاں بہت پذیرائی ملی۔ نہ صرف انعام و اکرام سے سرفراز ہوا بلکہ تربیت سخن کا بھی موقع ملا جس سے عرفی کی شاعری کو نکھار ملا۔ حکیم ابوالفتح کے دربار سے اور بہت سے شعرا وابستہ تھے۔ عبدالباقی نہاوندی کے بقول: ''تازہ گوئی کا اسلوب فیضی اور عرفی نے حکیم ابوالفتح اشارے سے اختیار کیا۔۲۰ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ''حکیم ابوالفتح گیلانی اور عبدالرحیم خان خاناں نے شاعری میں اکیڈمی قائم کی جس کی بدولت شعرا نے اس فن میں ترقی کی۔۲۱

ابوالفتح گیلانی کی یادگار اس کے رقعات ''چہار باغ'' کے عنوان سے ہیں جو ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور کی طرف سے زیورطبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ انہوں نے ابن سینا کی کتاب ''قانون'' پراعلیٰ درجے کی شرح بھی لکھی۔۲۲؎ ۹۹۷ھ میں حکیم ابوالفتح گیلانی کا انتقال ہوا اورحسن ابدال لے جا کرانہیں سپرد خاک کیا گیا۔۲۳؎

حکیم ہمام: حکیم ابوالفتح گیلانی کے چھوٹے بھائی تھے۔اصلی نام ہمایوں تھا اور اکبری دور میں اس نام سے پکارنا خلاف ادب تھا اس لئے اکبر نے ہی ہمام نام رکھا۔اکبران سے بہت محبت رکھتا تھا۔حکیم جب توران میں تھے تو بادشاہ اکثر انہیں یاد کر کے حکیم ابوالفتح سے کہا کرتا تھا کہ حکیم یہ نہ سمجھنا کہ وہ تمھارا بھائی ہے،اس لئے تمھارا دل اس کے لئے ہم سے زیادہ بے چین ہے۔حکیم ہمام جیسا کہاں پیدا ہوتا ہے۔دسترخوان پر کہتے جب سے حکیم ہمام گیا ہے، کھانے کا مزا جاتا رہا۔۲۴؎

حکیم ہمام کے علمی کارناموں میں ''معجم البلدان'' کا فارسی ترجمہ اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے'' تاریخ الفی'' کی تالیف میں بھی اپنا حصہ ڈالا۔حکیم ہمام کے دو بیٹے تھے جن میں سے بڑے بیٹے حکیم حاذق نے شعر اور انشا پردازی میں شہرت حاصل کی۔

راجہ بیربر: مہیش داس راجہ بیربر (بیربل) برھمن تھے اور کالپی کے رہنے والے تھے۔ان کی شگفتگی اورخوش مزاجی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔اکبر کے ابتدائی جلوس میں کہیں مل گئے اور بادشاہ کو ایسا بھائے کہ منظورنظر ہو گئے ۔اگرچہ منصب دوھزاری تھا لیکن بادشاہ کی خاص عنایت کے حامل قرار پائے۔اپنے لطیفوں اور چٹکلوں کی وجہ سے بادشاہ انہں اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اپنے آرام کے وقت حرم میں بھی بلوا لیتا۔

بیربر کی کوئی باقاعدہ تصنیف تو نہیں ہے لیکن رنگین چٹکلے بکثرت ملتے ہیں۔مولانا محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں ان کی ایک پہیلی درج کی ہے: ۲۵؎　　(مال پوا)

گھی　میں　غرق　سواد　میں　میٹھا　　بن　بیلن　وہ　بیلا　ہے
کہیں　بیربل　سنیں　اکبر　　یہ　بھی　ایک　پہیلا　ہے

۱۵۸۶ء میں بیربل افغان پٹھانوں کے ساتھ ایک جنگ میں ایک تنگ درہ عبور کرتے ہوئے مارا گیا۔اس کے ساتھ آٹھ ھزار سپاہی کام آئے جبکہ لاتعداد کو افغانوں نے قید کر لیا۔

اکبر کو کسی امیر کے مرنے کا اتنا رنج نہ تھا جتنا بیربل کی موت کا۔نہایت حسرت سے کہتا تھا: افسوس اس کی لاش اس گھاٹی سے نہیں لائی جاسکتی کہ اسے چتا تو نصیب ہو جاتی۔پھر یہ کہہ کر خود کو تسلی دیتا کہ وہ تمام پابندیوں سے آزاد مجرد شخص تھا، اسے پاک کرنے کے لئے نیراعظم کی تمازت کافی ہے، ویسے بھی اسے پاکی کی ضرورت نہ تھی۔۲۶؎

تان سین: تان سین کبت اور دھرپد کے گانے میں موسیقی کے میدان میں خاصی شہرت کا حامل تھا اور راجہ رام چند بگھیلہ کے دربار سے وابستہ تھا۔اکبر اعظم نے اپنے ندیم اور مقرب جلال خاں قورچی کو ایک خط کے ساتھ راجہ رام چند کے دربار میں تان سین کو لانے کے لئے بھیجا۔جلال خاں قورچی تان سین کو راجہ کے تحائف کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں لے کر آیا۔۲۷؎

ہمایوں بادشاہ کے دور میں حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کی خانقاہ موسیقاروں کا مرکز سمجھی جاتی تھی۔تان سین کے والدین سے بڑی عقیدت رکھتے تھے بنابریں اس نے حضرتؒ کی درگاہ پر ہی پرورش پائی ۔۲۸؎ انہی کے فیض کی بنا پر وہ ھندوستان کا سب

سے بڑا موسیقار قرار پایا۔ پروفیسر محمد اسلم نے عہد ھمایوں میں بندرابن میں جمنا کے کنارے مقیم ایک ھندو موسیقار بابا ھری داس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے تلامذہ میں تان سین کا نام بھی دیا ہے۔۲۹

ایک مرتبہ اکبر نے تان سین سے پوچھا کہ کیا تم سے بڑھ کر بھی کوئی گانے والا کہیں ہے۔ تان سین نے اپنے استاد پنڈت ھری داس سوامی کا نام لیا۔ اکبر کے اشتیاق پہ عرض کیا کہ وہ بادشاہ کے طلب کرنے پر بھی دربار میں حاضر نہ ھوں گے۔ اکبر نے ھری داس کے پاس جانے کا ارادہ کیا اور بھیس بدل کر تان سین کا سازندہ بن گیا۔ وہاں پہنچ کر تان سین نے گانے کی درخواست کی لیکن پنڈت ھری داس نے انکار کر دیا۔ تان سین نے طنبورہ تھام کر دانستہ طور پر ایک راگ غلط گانا شروع کیا۔ اس پر گوروجی نے اپنے شاگرد کو اس کی غلطیوں سے آگاہ کرتے ھوئے وہی راگ درست شکل میں گانا شروع کیا۔ اکبر سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور تان سین سے کہا کہ تم ایسا کیوں نہیں گا سکتے۔ تان سین نے جواب دیا کہ میں تو آپ کے ارشاد کے مطابق گاتا ھوں اور میرے استاد کسی کے کہنے پر نہیں بلکہ اپنی کیفیت سے گاتے ہیں۔۳۰

ایک اور روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اکبر نے تان سین سے دن کے وقت کسی رات کے گانے کی فرمائش کی۔ اس راگ کے گاتے ہی ھر طرف اندھیرا چھا گیا اور رات کا سماں ھو گیا۔۳۱ ابوالفضل نے اکبر کی موسیقی کے فن میں دلچسپی بیان کرتے ہوئے درباری گویوں اور سازندوں کی تعداد چھتیس بیان کی ہے۔ ان میں تان سین اور اس کا بیٹا تان ترنگ خان مشہور ھیں۔۳۲ پروفیسر محمد اسلم نے لکھا ہے کہ اکبر کے ذوق کے پیش نظر تان سین نے درباری کانہرہ، دربار کلیان، درباری اساوری اور شہانہ جیسے راگ مرتب کئے۔ وہ ڈاکٹر عبدالحلیم کی تحقیق کے مطابق میاں کی ملہار، میاں کی ٹوڈی اور میاں کی سارنگ کو بھی تان سین کے مرتب کردہ راگ قرار دیتے ہیں۔۳۳

تان سین کا نام جس راگ کی بدولت کلاسیکی سنگیت میں ھمیشہ زندہ رہے گا وہ راگ درباری ہے جسے سن کر اکبر بادشاہ کہا کرتا تھا کہ اس راگ سے دل کی سوئی ہوئی تمنائیں جاگ اٹھتی ہیں اور بڑے بڑے کام کرنے کے جذبے بیدار ھوتے ہیں۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ''تان سین جیسا گانے والا ھزار برس میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔''۳۴ جہانگیر نے اپنی توزک میں تان سین کو یوں سراہا ہے: ''تان سین کلاونت جو میرے باپ کی خدمت میں تھا اور نہ صرف اپنے زمانے میں بے مثال تھا بلکہ کسی بھی عہد میں اس جیسا موسیقار پیدا نہیں ہوا۔ تان سین کی قبر گوالیار میں گویوں کی زیارت گاہ ہے''۔۳۵

راجہ مان سنگھ: راجہ مان سنگھ راجہ بھگوان داس کا بیٹا تھا پنج ھزاری امرا میں سے تھا جو اس دور کا سب سے بڑا منصب تھا۔ اکبر کے رتنوں میں شامل ہوا۔ مرد جری تھا اور اہم کارنامے سرانجام دیے۔ بہار کی حکومت ملی۔ نویں سال جلوس جہانگیری میں طبعی طور پر وفات پائی۔۳۶ محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ دربار میں ایک سید زادے کسی برھمن سے الجھ پڑے اور فیصلہ راجہ مان سنگھ پر چھوڑ دیا۔ راجہ نے جواباً کہا کہ میں ایسے کسی معاملے میں گفتگو کا اھل نہیں لیکن ایک بات دیکھتا ھوں کہ ھندوؤں میں کیسا ہی پنڈت یا گیانی دھیانی فقیر کیوں نہ ہو جب مر گیا تو جل گیا، خاک اڑ گئی رات کو وہاں جاؤ تو آسیب کا خطرہ ہے، اسلام میں جس شہر بلکہ گاؤں سے گزر رو، کئی بزرگ پڑے سوتے ہیں۔ چراغ جلتے ہیں۔ پھول مہک رہے ہیں۔ چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ لوگ ان کی ذات سے فیض پاتے ہیں۔۳۷

مان سنگھ ھمیشہ فقرا اور درویشوں کی خدمت میں حاضر ھوتا تھا۔ بنگالہ کے سفر میں شاہ دولتؒ کے اوصاف و کمالات سن

کر حاضرِ خدمت ہوا۔ وہ اس کی گفتگو سن کر خوش ہوئے اور کہا: مان سنگھ ! مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ اس نے مسکرا کر کہا: ختم اللہ علٰی قلوبہم، خدا کی مہر ہے۔ بندہ کیوں کر اٹھائے کہ گستاخی ہے۔[۳۸]

ٹوڈرمل: ۱۵۲۳ عیسوی میں پیدا ہوا اپنی لیاقت اور قابلیت کی بنا پر اکبر کے رتنوں میں شامل ہوا اور ۲۲ صوبوں کا دیوان کل مقرر ہوا۔ سنسکرت کی مشہور کتاب ''بھگوت پران'' کا فارسی میں ترجمہ کیا۔[۳۹] جب اکبر نے فتح پورسیکری کی تعمیر کی تو امرا کو وہاں آباد ہونے کا حکم دیا گیا۔ ٹوڈرمل نے فتح پورسیکری میں ایک شاندار بارہ دری تعمیر کروائی۔[۴۰]

راجہ ٹوڈرمل سترہ سال تک وزارت کے عہدے پر فائز رہا۔ اس کا منصب چہار ہزار سواری تھا۔ ۱۵۸۷ء میں فوت ہوا۔[۴۱] راجہ ٹوڈرمل علم ریاضیات کا ماہر تھا اور آئین مال اور جمع وخرچ کے دفتر کا انتظام و انصرام اس کے سپرد تھا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ: ٹوڈرمل پابندی آئین تعمیل احکام اور محاسبات عمل درآمد میں کسی کی بال بھر بھی رعایت نہ کرتا تھا اور لوگ اس سبب سے اس پر سخت مزاجی کا الزام لگاتے تھے۔[۴۲] اکبر نہ صرف اس کی عقل و تدبر پر اعتبار کرتا تھا بلکہ اس کی امانت، دیانت اور وفاشعاری پر بھروسہ رکھتا تھا۔

ملا دو پیازہ: ملا دو پیازہ کو بھی اکبر کے رتنوں میں شمار کیا جاتا ہے اگر چہ ملا دہ پیازہ کے بارے میں کوئی روایت معاصر تذکروں میں نہیں ملتی تاہم ان سے منسوب لطائف بے شمار ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اکبر ملا دو پیازہ کو ان کی ظرافت اور حاضر جوابی کی وجہ سے پسند کرتا تھا۔ حافظ محمود شیرانی نے اپنے ایک مقالے میں ھندوستانی سپیکو لیٹر کے حوالے سے جو ملا دو پیازہ کے بارے میں معلومات کا قدیم ترین ماخذ ہے کچھ روایات نقل کی ہیں لیکن وہ ان واقعات کی صحت کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً دو پیازہ کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک روز کسی ضیافت میں انہیں ایک خاص قسم کا پلاؤ بہت پسند آیا۔ نام پوچھا تو پتہ چلا کہ دو پیازہ ہے۔ انہوں نے تہیہ کیا کہ آئندہ جس دسترخوان پر یہ طعام نہ ھوگا، میں کسی کی دعوت قبول نہ کروں گا۔ اس روز سے ان کا نام دو پیازہ پڑ گیا۔[۴۳]

حافظ محمود شیرانی سپیکو لیٹر کے حوالے سے ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ بیربل اکبر کے پاس بٹھا تھا۔ ملا دو پیازہ کسی دھن میں مستغرق جھکا ہوا زمین کی طرف دیکھتا آرہا تھا۔ بیربل نے پوچھا کہ کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ ملا نے جواب دیا کہ مدت سے مرا باپ گم ھو گیا ہے، اسے دیکھتا ہوں، بیربل نے کہا اگر میں بتا دوں تو کیا دو گے؟ ملا نے کہا، سارا آپ کا۔[۴۴]

ایک لطیفہ یوں ہے کہ بیربل ایک روز نہایت عمدہ پگڑی باندھ کر دربار میں آئے۔ بادشاہ نے ملا دو پیازہ سے کہا کہ بیربل کی دستار تمھاری پگڑی سے عمدہ بندھی ہے۔ ملا نے جواب دیا: درست ہے لیکن یہ انہوں نے اپنی بیوی سے بندھوائی ہے۔ بادشاہ کے حکم پر دونوں نے پگڑی اتار کر دوبارہ باندھنا شروع کی۔ ملا نے تو باندھ لی لیکن بیربل کامیاب نہ ھو سکے۔ بادشاہ نے مسکرا کے کہا کہ بیربل معلوم ہوا کہ جو کام تم سے نہیں ھوسکتا، اپنی بیوی سے کراتے ہو، بیربل شرمندہ ھو کر رہ گئے۔[۴۵]

۱۵۹۹ء میں اکبر احمد نگر کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ احمد نگر پر چاند بی بی کی حکومت تھی۔ ملا دو پیازہ کی پھبتی سن کر کہ حضور اس عورت کا مقابلہ کرنے آئے ہیں ورنہ اس کا مقابلہ ساری دنیا کے بادشاہ بھی نہیں کر سکتے۔ اکبر نے ارادہ ترک کیا اور آگرہ روانہ ھوا۔ رستے میں ملا بیمار ہو گیا اور ایک ماہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کیا۔ بادشاہ نے خود نماز جنازہ پڑھی اور ایک قصبہ ''ہنڈیا'' میں سپرد خاک کر دیا۔ کسی خوش مزاج نے کہا: واہ بھئی دو پیازہ! مر کر بھی ہنڈیا میں رہے۔[۴۶]

حواشی:

۱۔ اکرام، شیخ محمد، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲ کلب روڈ لاہور، نومبر ۱۹۹۷ء، ص:۱۶۴

۲۔ محمد صالح کنبوہ، عمل صالح المعروف بہ شاہجہان نامہ، جلد اوّل، مترجم ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، لاہور: مرکزی اُردو بورڈ، ۱۹۷۱ء، ص: ۴۸

۳۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۵ء، ص:۴۴۷

۴۔ اے، ڈی، ارشد، ڈاکٹر، تاریخ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند، چوتھی جلد، فارسی ادب (دوم)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص: ۲۷۸

۵۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، فارسی زبان و ادب (مجموعۂ مقالات)، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص: ۳۱۹

۶۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲ کلب روڈ، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۳۸

۷۔ اے ڈی ارشد، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وھند، ص: ۲۸۰

۸۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، حصہ سوم، لاہور: شیخ مبارک علی پبلشرز، ۱۹۴۶ء، ص: ۷۷

۹۔ مونسیر اٹ، اکبر کا ھندوستان، مترجم، ڈاکٹر مبارک علی، لاہور: فکشن ھاؤس، ۱۸۔مزنگ روڈ، ۱۹۹۰ء، ص:۲۷

۱۰۔ محمد اسلم، پروفیسر، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، دہلی: ندوۃ المصنفین، اُردو بازار، جامع مسجد، ۱۹۶۹ء، ص:۱۱۲

۱۱۔ سجان رائے بٹالوی، خلاصتہ التواریخ، مترجم، ناظر حسن زیدی، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، ۲۹۹۔ اپر مال، طبع دوم ۲۰۰۲ء، ص: ۴۳۵۔۴۳۴

۱۲۔ جہانگیر، نورالدین بادشاہ، تزک جہانگیری، مترجم مولوی احمد علی، نظر ثانی جمیل الدین احمد، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص: ۵۰

۱۳۔ صمصام الدولہ شاھنواز خان، مآثر الامراء، جلد اوّل، مترجم پروفیسر محمد ایوب قادری، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۸۹

۱۴۔ بدخشانی، میرزا مقبول بیگ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وھند، جلد چہارم، ص: ۶۷۔۶۶

۱۵۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد ۳، ص:۱۳

۱۶۔ بدخشانی، میرزا مقبول بیگ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وھند، ص:۶۶

۱۷۔ ھاشمی فرید آبادی، سیّد، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، جلد اوّل، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، س۔ن، ص:۴۹

۱۸۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، اُردو بازار، سن ندارد، ص:۵۶۴

۱۹۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، ص:۶۵۱

۲۰۔ عبدالباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، ج ۲،ص:۸۴۴ بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وھند، جلد چہارم،ص: ۶۷
۲۱۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد۳،ص: ۱۰
۲۲۔ ھاشمی فرید آبادی، سیّد، تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت،ص: ۴۹۰
۲۳۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان، مآثر الامرا،ص: ۳۸۷
۲۴۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری،ص: ۶۶۸
۲۵۔ آزاد، مولانا محمد حسین، دربار اکبری،ص: ۳۱۰
۲۶۔ سعود الحسن خان روہیلہ، ڈاکٹر، شہنشاہ ھند جلال الدین محمد اکبر، مسعود پبلشرز، لاھور، ۲۰۱۳ء،ص: ۲۵۹
۲۷۔ صمصام الدولہ شاھنواز خان، مآثر الامرا،ص: ۳۵۳
۲۸۔ محمد اسلم، پروفیسر، تاریخی مقالات، لاہور: بک ٹاک، تمپل روڈ، ۱۹۹۱ء،ص: ۱۳۳
۲۹۔ محمد اسلم، پروفیسر، تاریخی مقالات،ص: ۱۳۴
۳۰۔ رفیق خاور، ہماری موسیقی ایک تعارف، پیش آھنگ (مقدمہ)، کراچی، ۱۹۶۱ء،ص: ۱۷۔۱۶
۳۱۔ ایضاً،ص: ۱۷
۳۲۔ ایضاً،ص: ۱۳۵
۳۳۔ ایضاً،ص: ۱۳۸
۳۴۔ بدخشانی، میرزا مقبول بیگ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وھند،ص: ۲۹
۳۵۔ محمد اسلم، پروفیسر، تاریخی مقالات،ص: ۱۴۰
۳۶۔ نظام الدین احمد، طبقات اکبری، مترجم محمد ایوب قادری، جلد دوم، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، ۲۹۹۔ اپر مال، ۱۹۹۰ءص: ۴۴۸
۳۷۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری،ص: ۵۶۳
۳۸۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری،ص: ۵۶۴
۳۹۔ عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی،ص: ۳۳۷
۴۰۔ سعود الحسن خان روہیلہ، ڈاکٹر، شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر،ص: ۳۱۹
۴۱۔ نظام الدین احمد، خواجہ، طبقات اکبری،ص: ۴۵۲
۴۲۔ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری،ص: ۵۲۰
۴۳۔ شیرانی، حافظ محمود، ملا دو پیازہ اور جعفر زٹلی کی سوانح عمریوں کا جائزہ اور تنقید (مشمولہ مقالات شیرانی)، لاہور: کتاب منزل، ۱۹۴۸ء،ص: ۷۳
۴۴۔ ایضاً
۴۵۔ ایضاً،ص: ۷۵
۴۶۔ ایضاً،ص: ۷۷۔۷۶